مطبُوعات

حیاتِ ولی | از جناب مولانا محمد رحیم بخش مرحوم - شائع کردہ: المکتبۃ السلفیہ، لاہور۔ قیمت مجلد مع گردپوش چھ روپے بلا جلد ۵/۸ -

زندہ قوموں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اپنے ماضی سے شرمانے اور اس سے اپنا تعلق منقطع کرنے کے بجائے علوم و فنون کے آبائی سرچشموں کا کھوج لگاتی ہیں اور ایک ایک قابلِ قدر شخصیت اور اس کے کارنامے کو اپنی آئندہ نسلوں کے سامنے رکھتی ہیں۔ لیکن یہاں یہ حال ہے کہ اپنے اسلاف سے منسوب ہونے میں عار محسوس کی جانے لگی ہے اور ان کے علمی و تعمیری کارناموں کو دریابُرد کرنے کے منصوبے منظم تخریبی فتنوں کی شکل اختیار کر رہے ہیں۔ ہماری موجودہ کارفرما نسل کا غلامانہ ذہن تعمیر کرتے ہیں برطانوی اقتدار نے جو خاص تدبیریں اختیار کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ برعظیم ہند کے مسلمانوں کو بالکل قریب ترین تاریخ ماضی کے ان اہم قیمتی ابواب سے منقطع کر دیا گیا جنہیں دہلی کے ایک بے مثل خانوادے نے روشنائی ہی سے نہیں اپنے لہو کے قطروں سے لکھا تھا۔ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کی شان کے اس خانوادے کے آسمان پر ایک سورج شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے چمکا تھا۔ آج کسی لکھے پڑھے آدمی سے دریافت کیجیے کہ شاہ ولی اللہ کا مقام ہماری تاریخ میں کیا ہے تو امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی مبنی بر معلومات جواب دے سکے۔ حالانکہ اس سرزمین پر قرآن کا اوّلین ترجمہ پیش کرنے کا انقلابی اقدام کرنے والی یہ شخصیت اتنا وسیع اور ہمہ جہتی علمی کام کر گئی ہے کہ اس کی ریسرچ، ترجمے اور اس کی اشاعت کے کام میں ہمیں اپنی ملی طاقت کا ایک اچھا خاصا حصہ کھپا دینا چاہیے۔

ان حالات میں حیاتِ ولی نام کی ایک پرانی کتاب کے تازہ اردو ایڈیشن کو دیکھ کر ہمیں بڑی مسرت ہوئی۔ اس کتاب کے مؤلف مولانا محمد رحیم بخش دہلوی مرحوم خود محتاجِ تعارف ہیں۔ یہ کتاب صرف شاہ صاحب کی اپنی ہی سوانح حیات تک محدود نہیں بلکہ آپ کے آباء و اجداد، اساتذہ کرام اور اولاد و احفاد سب کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ گویا خاندان کے خاندان کا ایک تعارف اس کے ذریعے ہو جاتا ہے۔ مؤلف کا انداز مؤرخانہ نہیں بلکہ عقیدتمندانہ اور

عقیدت مندانہ ہے۔ معلومات محنت سے جمع کی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، لیکن تقابلی مطالعہ کا خالص تحقیقی فنی انداز ناپید ہے۔

کتاب پوری تو پڑھی نہ جا سکی مگر شاہ صاحب کے حالات پڑھتے ہوئے ایک اہم مقام عبرت سامنے آیا۔ شاہ صاحب کی وفات پر مدت دراز گزرنے کے بعد موجودہ دور میں ان کا مرتبہ کیا سمجھا جاتا ہے اسے جناب مؤلف یوں پیش کرتے ہیں :-

"یہ بات نہ صرف تعجب، بلکہ سخت حیرت سے دیکھی جاتی ہے کہ عام طور پر اسلام کی مختلف شاخوں کے تمام موافق و مخالف فرقے، حتیٰ کہ مخالفینِ اسلام بھی اس عزیز الوجود اور خلیق و رحمدل خدا پرست برگزیدہ ولی کے فضائل و کمالات کے بہ دل معترف ہیں۔" (ص ۳۸)

لیکن شاہ صاحب کے اپنے زمانے میں ان کے معاصرین نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ اس کی تصویر مؤلف نے ان الفاظ میں کھینچی ہے :-

"جب شاہ صاحب نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملاؤں کے گروہ میں برپا ہو گیا اور یہ سمجھ گئے کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھا دی گئی، اب جہلا کبھی قبضہ میں نہ آئیں گے اور وہ ہر بات پر بحث کرنے کو تیار ہو جائیں گے (واضح رہے کہ یورپ میں انجیل کے ترجمہ و اشاعت پر پادریوں کی طرف سے اس سے زیادہ شدید طوفان اٹھایا گیا تھا! - ن ص) اس خیال نے ان کے دل میں ایک آگ بھڑکا دی اور علاوہ کفر کا فتویٰ دینے کے شاہ ولی اللہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے۔ اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیونکر قتل کیا جائے۔ ان کٹ ملاؤں نے جن کا اثر بہت کچھ شہر کے بد وضع لوگوں، اکھاڑوں، پٹے بازوں پر پھیلا ہوا تھا۔ چند بد معاش جمع کئے اور اب وہ شاہ ولی اللہ کی تاک میں رہنے لگے۔" (ص ۱۹۔ ۲۱۸)

اور اسی سلسلہ بیان کا یہ آخری حصہ بھی ملاحظہ فرمائیے :-

"جو اثر شاہ ولی اللہ صاحب کا مدینہ، مکہ اور نجد پر تھا، افسوس کہ وہ دہلی میں نہ تھا۔ ہاں کسی ڈوم اور کسبی کی سفارش بہت جلد چل جاتی تھی اور بے چارے شاہ صاحب کی کوئی نہ سنتا تھا۔" (ص ۲۲۴)

افسوس ہے کہ اس داستانِ عبرت کو مؤلف نے باقاعدہ ایک مبحث کے طور پر نہیں لیا، ورنہ یہ امر قابلِ تحقیق تھا کہ دین کے ایک سچے خادم کو خود دین کے علمبرداروں کی طرف سے کیا کیا کچھ دیکھنا پڑا ہے اور اس فتنہ کے اسباب و محرکات کیا تھے! تاہم شاہ صاحب کے خلاف دہلی کے مولویوں کی ہنگامہ آرائی ایک حقیقتِ معلومہ ہے اس داستانِ عبرت سے اخذ کرنے کا سبق یہ ہے کہ جب کبھی کوئی مردِ خدا ہمارے درمیان دین کی حقیقی خدمت کے لیے اُٹھا ہے، خود دین ہی کے نام پر ایک خاص طرح کے مذہبی عنصر نے اسکی مخالفت میں خون پسینہ ایک کر دیا ہے۔ اور پھر سوچنا یہ ہے کہ آج یا آنے والے مستقبل میں اگر نظامِ حق کی اقامت کے لیے کوئی کام کرنے والا اُٹھے تو اس کے کام کو شر پسند حاسدوں کی ہنگامہ آرائیوں سے بچانے کی سبیل کیا ہے۔ اگر ہم اپنے اندر پائے جانے والے تخریب پسند مذہبی عنصر کو اپنی سابق تاریخ کی روشنی میں پہچان نہیں لیتے اور اس سے بچاؤ کا سامان نہیں کر لیتے تو کسی دَور میں بھی اقامتِ دین کی مساعی کا کامیاب ہونا ممکن نہیں ہے۔ آخر وہ کونسا گروہ ہے جو کوئی بھی اختلاف سامنے رکھ کر اسے تکفیر تک پہنچا دیتا ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کے مصالح پر غور کرنے کے بجائے یہ سوچتا ہے کہ "ہماری روزی کی عمارت ڈھا دی گئی"، جس کے دل میں ہر تعمیری سعی "آگ بھڑکا دیتی ہے"، جو علمی اختلاف کرنے کی حد تک نہیں رُکتا بلکہ "جانی دشمن" بن جاتا ہے، جو عوام کو جاہل رکھنا پسند کرتا ہے، جو "بد وضع لوگوں، اکھاڑوں اور پٹے بازوں پر اثر رکھتا ہے"، بد معاشوں کو جمع کر کے استعمال کرتا ہے اور تجدید و احیائے دین کا کام کرنے والوں کے خلاف وہ ایک ایک انچ پر "جہاد" کرتا ہے۔ ہماری تاریخ کے ڈرامے کا یہ مستقل کردار بار بار اسٹیج پر آتا ہے اور تجدید و اصلاح کی مساعی کے بالمقابل ایک ہی منفی پارٹ ادا کرتا چلا جا رہا ہے۔ طرفہ یہ کہ ماضی کے ایسے کرداروں پر نفرین بھیجنے والے اور بظاہر اچھے خاصے مذہبی دکھائی دینے والے عناصر نے اپنے اپنے دَور میں یہی پارٹ ادا کیا ہے۔ "حیاتِ ولی" سے ایک یہی درس جو بن سکے اگر ایک بار قوم اس کردار کو پہچان لے تو یوں سمجھئے کہ مکتبۂ سلفیہ کی محنت ٹھکانے لگ گئی۔

مؤلف نے چھ سو سے زائد صفحے لکھے لیکن ایک نہایت ضروری کام کی ذمہ داری نہیں لی۔ دکھانا یہ چاہیے تھا کہ شاہ صاحب نے دین کا تصور دلانے کے لیے کتنے اونچے درجے کا سائنٹفک اسلوب اختیار کیا اور کس طرح اپنے مقاصد کے لیے ایک زبان، ایک طرزِ بیان، ایک خاص اندازِ استدلال اور بالکل نو بنو اصطلاحات پیدا کر لیں۔ دکھانا یہ